Regd. No. A. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No.

Telegrams "ANJUMAN"

جلد ۲۰ شمارہ ۱۴	ایڈیٹر: آل احمد سرور	علی گڑھ - ۸ راپریل سنہ ۱۹۶۱ء

از سید مجیب الرحمن

ہندوستانی زبانوں کے لئے مشترکہ اکائی کا عروض

ہمارے ملک کی سماجی ترقی بے شک معاشی اور صنعتی ترقی سے جڑی ہوئی ہے مگر ساتھ ہی وہ تہذیبی سرمائے کی ترقی سے بھی وابستہ ہے کیونکہ کسی ملک کا تہذیبی سرمایہ اس کی سماجی ترقی کی خدمت بھی انجام دیتا ہے۔ اس طرح ہم ہندوستانی زبانوں کے ادبی مسائل سے دو چار ہوتے ہیں۔ ادبی سرمائے میں شعری سرمائے کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ شعر جہاں انسان کو ذہنی اور روحانی فرحت بخشنے کا کام انجام دیتا ہے وہیں وہ اسے تمام جسمانی اور ذہنی کھنچاؤ سے چھٹکارا دلا کر آسودگی بھی بخشتا ہے۔ ورنہ داخلی اور خارجی اسباب کے اثر سے پیدا ہونے والا کھنچاؤ جسم میں گھن لگا دیتا ہے۔ شعر کی لطافت اور ہمہ گیری کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ نہ صرف شاعر کو آسودگی اور عزم کی طاقت بخشتا ہے۔ بلکہ ان سب انسانوں کے لئے یکساں طور پر مجرّب علاج کا کام کرتا ہے جو اسی قسم کے جسمانی اور ذہنی کھنچاؤ کے شکار ہوتے ہیں۔

گویا شعر ایک منضبط، حسین اور رنگین حسّی عمل ہے جو ایک ہی وقت میں علاج بھی ہے اور ٹانک بھی۔ پھول بھی ہے اور خار بھی۔ جمال بھی ہے اور جلال بھی۔

شعر کی بنیاد کیا ہے؟ زندگی کے خارجی اور داخلی اثرات سے انسان کے جسم اور ذہن پر جو ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے جو کھنچاؤ ظہور میں آتا ہے اس سے چھٹکارا پانے کے لئے زبان سے بے اختیار ایک آہنگ پیدا ہوتی ہے جو آگے چل کر ایک مخصوص تاثر پیدا کرتی ہے۔

یہ عمل اسی طرح بے ساختہ ہے جس طرح ایک دوسرے ماحول میں کھنچاؤ کے تحت احساس انفعال، کپکپی، بے ہوشی وغیرہ کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ کپکپی، بے ہوشی وغیرہ ایک مجہول حسّی عمل ہے جبکہ شعر گوئی ایک مثبت اور تخلیقی عمل۔ شعر ایک مطلق آہنگ کی بازگشت ہے جسے ہم ایک مخصوص زبان کی فرہنگ میں نسبت دے کر اس کے ذریعے بتائی گئی حقیقت کا ادراک پاتے ہیں۔ اس طرح یہ آہنگ ایک منضبط اصول اور سانچے کا پتہ دیتی ہے۔ جو اس کی ساخت کی ذمہ دار ہے۔ یہی آہنگ بعد کو کئی مترادف الفاظ کو جنم دیتی ہے۔ شعر میں جو چیز بنیادی حیثیت رکھتی ہے وہ آہنگ اور اس کا مخصوص سانچہ ہے۔ الفاظ اور اس کے روایتی معنے اس کی ترقی یافتہ شکل کو ظاہر کرتے ہیں۔

جیسا عرض کیا گیا جب شاعر ایک مخصوص ماحول سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے منہ سے بے ساختہ آہنگ نکلتی ہے جو ترقی یافتہ سماجی دور میں معنی کے لباس سے بھی آراستہ ہوتی ہے۔ اس آواز کا ترنم، اُتار چڑھاؤ اور اس کا تسلسل ایک خاص ضابطے کے مطابق مختلف حالات میں مختلف ہیئتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ عروض اسی تسلسل، اسی بناوٹ اور اسی نظم و ضبط کو ظاہر کرنے کا علم ہے۔ مگر آج عروض ہماری ہندوستانی زبانوں کے لئے چھاتی پر رکھی گئی ایک ذہنی سِل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

اردو زبان کی شاعری میں یا تو پندرھویں صدی قبل مسیح کی ویدک تکنیک کی حکمرانی ہے یا آٹھویں صدی عیسوی کے عربی عروض کی قواعد کی اجارہ داری۔ بے شک ویدک اور عربی فارسی عروض نے اپنے زمانے کے تہذیبی ارتقائی عمل کی تکمیل میں مدد دی ہے۔ مگر بعد کو انگریزی زبان نے بھی

اس میں کافی اضافہ کیا ہے۔ اس نے اپنی مخصوص لچک، رواداری اور وسیع نظری کی وجہ سے بہر جہتی ترقی کی ہے اس لئے انگریزی عروض آج دوسری اور زبانوں کے عروض کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ اور سائنٹفک ہے۔ جب ہم ادب میں انگریزی سانچوں، اسلوب اور تکنیک کو قبول کر سکتے ہیں تو انگریزی عروضی تکنیک سے ہی بیر کیوں کیا جائے۔ ہم آج انگریزی وضع کی آزاد نظمیں تو لکھتے ہیں مگر پیروی کرتے ہیں فارسی عروض کی۔ فارسی عروض کی زبان میں آزاد نظم میں ہر مصرع یا بحر عملاً ایک اکائی ہوتا ہے اور ہر مصرع کا اکائی بننے کی وجہ سے کئی اکائیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں اس طرح اپنی آزاد نظم میں ترنم کے برکھنے کے لئے فارسی عربی یا سنسکرت عروض ہمارے شاعر کی مدد نہیں کرتے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ چند کو چھوڑ کر بہت سے اچھے شاعر بھی آزاد نظم میں غیر ترنم مصرعے جوڑتے ہیں۔ اس کے برخلاف انگریزی کے عروضی اصول آزاد اور ساری ہی دوسری نظموں میں بحروں کے بجائے Combination of Syllables کو اکائی مانتے ہیں۔ فرض کیجئے ایک آزاد نظم میں ۲۴ مصرعے ہیں انگریزی عروض کے مطابق اس ساری نظم میں بار بار آنے والے اس مشترک Combination of Syllables کا جان لینا کافی ہوگا جو اس ساری نظم میں اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر جیسا اوپر بتایا گیا فارسی عروض کی زبان میں کئی مختلف اکائیاں ہوں گی جیسے کئی بحروں کی گردان کی شکل میں تقطیع کرنا ہوگا۔

عروض اگر آہنگ کا اصول ہے تو آہنگ کی کوئی علاقہ داری زبان نہیں ہوتی۔ جو بھی فن کو زیادہ بہتر طریقے پر سمجھائے وہی زیادہ موثر اور مفید تکنیک ہوگی۔ تکنیک برگزیدگی یا پرستش کی چیز نہیں ہے بلکہ ایک مخصوص قدر کی تخلیق میں آسان اور موثر ترین اوزار ہی ہو سکتی ہے۔

عربی فارسی عروض اور ویدک سنسکرت پنگل نسبتاً پیچیدہ ہوئے اور بہت مشکل اصول پیش کرتے ہیں اور شاعر کے تخلیقی موڈ کو بگاڑ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج شاعر عروض کے جاننے کو غیر شاعرانہ پن سمجھتا ہے۔ فارسی اور سنسکرت عروضی تکنیک کی رو سے مصرع کی تقطیع یا تقسیم ایسے غیر متوازن ٹکڑوں میں کر دی جاتی ہے جیسا کہ اعلیٰ خدمات کے انتخاب کے سلسلے میں ذہانت کے امتحانوں میں دیئے گئے جانوروں کی اشکال کے تراشے ہوتے ہیں وہ اس طرح کاٹے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کی صحیح شکل پہچانی نہیں جاتی اور ان کو مکمل شکل میں جوڑنا ایک صبر آزما اور مشکل کام ہے۔ یہی تراشے اگر مساوی حصوں میں متوازن انداز میں بانٹ دیئے جاتے تو ان کا جوڑنا یقیناً آسان ہوتا۔ مگر وہاں مشکل پسندی ہی ان کی تراش اور تقسیم کا اصول ہے۔ ایک اور مثال روپیہ کی گنتی کی لیجئے۔ فارسی اور سنسکرت عروض کی زبان میں ایک روپیہ خود ایک اکائی ہوگا جس کو پرکھنے کے لئے ایک بندھا ٹکا طریقہ ہی اختیار کرنا ہوگا۔ یعنی ہمیں ایسا ہی گنتا ہوگا جس طرح سینکڑوں برس پہلے کسی نے گنا ہوگا۔ جیسے سب سے پہلے آٹھ آنے کا ایک ٹکڑا گنئے، پھر چار آنے کا ایک ٹکڑا الگ کیجئے، پھر دوانی کو ایک ٹکڑا گنئے اور اس کے بعد ایک آنے کے دو ٹکڑے گنئے۔ اسی روپیہ کو آسان طریقے سے اس طرح سمجھایا جا سکتا ہے کہ اس میں ۲۰ اور ۲۰ نئے پیسوں کے پانچ مساوی حصے کئے جائیں۔ فارسی عروض کے اعتبار سے یہ دو چار اکائیوں کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اس میں سو سے زائد بحریں ہوتی ہیں۔ جب کہ سنسکرت یا ہندی پنگل کے مطابق ماترک چھند (ماتراؤں کے مطابق بحریں) کی ۱۴ اور ورنک چھند (حرفی بحریں) کی تقریباً ۲۰ بحریں ہوتی ہیں۔

ماترا حرف کی اس اکائی کو کہتے ہیں جس کی قدر تلفظ کی ادائی میں صرف ہونے والے وقت کے اعتبار سے ایک فرض کی گئی ہے اسے ہندی میں لگھو کہتے ہیں اور اسکی علامت (۱) ہے۔ اسی قدر کو انگریزی میں Short Syllable کہتے ہیں اور اس کی علامت (ں) ہے۔ حروف کی دوسری قسم ہندی میں گرو کہلاتی ہے اس کی قدر (۲) فرض کی گئی ہے اور علامت (ऽ) ہے۔ انگریزی میں اسے Long Syllable کہتے ہیں اور اس کی علامت (—) ہے۔ (باقی صفحہ پر)

ہماری زبان

۸ر اپریل ۱۹۶۱ء

"حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے" (اقبالؔ)

(۲)

ہم نے پچھلی اشاعت میں حال کے پیچ در پیچ میلانات کا جائزہ لینے کی کوشش کی تھی۔ اس جائزے سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:۔

(۱) ہندوستان میں دیکھتے دیکھتے بڑی تبدیلی ہو رہی ہے۔ ایک نیا سماج جنم لے رہا ہے، نئے طبقے اُبھر رہے ہیں۔ ہر خیال کچھ نہ کچھ اہمیت رکھتا ہے اور اپنے طور پر سماج کو متاثر کر سکتا ہے۔

(۲) اس تبدیلی کے باوجود دبی ہوئی نفرتیں، سوئی ہوئی تلخیاں، رکی ہوئی آندھیاں بھی ہیں اور جہاں ترقی ہے وہاں اس کے ساتھ بعض باتوں میں ہم پیچھے کی طرف جا رہے ہیں۔

(۳) یہ کشمکش فطری ہے اور اس کے ذریعہ سے قومیں اپنی تقدیر لکھتی ہیں، اس سے ہراساں ہونے کے بجائے اس میں شریک ہونا چاہیے۔

(۴) اُردو کی حمایت بھی ہوگی اور مخالفت بھی، ہندوستان میں جمہوریت، مساوات، سوشلزم اور غیر مذہبی ریاست کے پرستار، لسانی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کریں گے اور اُردو کے ساتھ انصاف کی کوشش میں مصروف رہیں گے۔ اُردو کو مسلمانوں سے وابستہ سمجھنے والے یا اسے بدیسی کہنے والے، یا ہندی کے نادان دوست یا ماضی بعید کی محبت میں ماضی قریب کو نظر انداز کرنے والے اُردو کی مخالفت کریں گے۔ اُردو کو دوست بھی ملیں گے اور دشمن بھی۔

(۵) مگر خود اُردو دوست اگر زمانے کی رفتار کو سمجھیں گے، زبان کے ایک جامد اور مخصوص تصور کو سینے سے لگائے رکھنے کے بجائے اس کے بڑھتے، پھیلتے اور بدلتے ہوئے روپ کو پہچانیں گے تو اُردو زبان کی بہتر خدمت کر سکیں گے۔ لکھنؤ اور دہلی کی کوثر و تسنیم میں دُھلی ہوئی زبان اس طرح بجنسہٖ باقی نہیں رہ سکتی جس طرح اٹھارویں صدی کی انگریزی باقی نہیں رہی۔ اس پر ریڈیو کا اثر بھی ہوگا، اور فلم کا بھی۔ سرکاری مدارس کا بھی اور دفاتر کا بھی۔ اس میں ہندی کے بہت سے الفاظ اسی طرح آئیں گے جس طرح انگریزی کے آئے اور ان سب کو اُردو میں جگہ دینی ہوگی۔

(۶) لیکن اس کے معنی یہ نہ ہوں گے کہ اُردو میں کوئی معیار نہ ہوگا۔ ہاں یہ معیار اتنا سخت گیر نہ ہوگا جتنا آج سے پچاس سال پہلے تھا۔ اس میں موجودہ دور کے ذہن، اس کی الجھنیں، اس کے درد و کرب، اس کے خوابوں اور اس کی مسرتوں، اسکے فکر اور فن، احساس اور اظہار کی نمایندگی ہوگی۔

(۷) اس کو اُردو رسم خط کے علاوہ لاکھوں آدمی ہندی رسم خط میں بھی پڑھیں گے اور اس سے اس کی مقبولیت بڑھے گی کم نہ ہوگی۔

(۸) مگر اس کا اپنا رسم خط، جس کے پیچھے صدیوں کے کارنامے ہیں، جس میں حُسن ہے اور جس کی افادیت بھی ظاہر ہے اس سرمائے کی وجہ سے عزیز رکھا جائے گا۔

(۹) اور یہ زبان صرف حکومت کی سرپرستی کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کے چاہنے والوں کے عقیدے اور عزم، حوصلے اور ہمت کی وجہ سے زندہ رہے گی۔ پھر یہ چاہنے والے صرف اس سے محبت ظاہر کرکے فخر نہ کریں گے اس کی خدمت کرکے خوش ہوں گے اور اس خدمت کے لئے صرف مالی فائدہ یا کاروباری سہولت نہ ڈھونڈھیں گے۔ ہاں اسے اچھا کاروبار بھی ثابت کر سکیں گے۔

(۱۰) آج بھی اُردو کچھ لوگوں کے لئے نفع بخش کاروبار اور کامیاب سیاست ہے۔ ہمیں اس کاروبار اور سیاست کو قوم کے لئے نفع بخش ثابت کرنا ہوگا۔

اُردو کا مستقبل بہت روشن ہے اور بہت تاریک بھی۔ بہت روشن اس لئے ہے کہ اس میں بڑی صلاحیت ہے اور یہ نئے ہندوستان کے بہت کام آسکتی ہے۔ اور تاریک اس لئے کہ اس سے محبت کرنے والے زیادہ تر پرانے عاشقوں کی طرح صرف آہیں بھرنا اور فلک کج رفتار کا ماتم کرنا جانتے ہیں۔ جب یہ کوہکن کی طرح تیشہ چلانا اور ہر سپاٹ ستون کے غرور کو توڑنا سیکھ جائیں گے، جب یہ مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ہمت کریں گے، جب یہ حکومت یا اکثریت سے لو لگانے کے بجائے خود کچھ کرنے کی خو ڈالیں گے تو اس کا مستقبل بھی روشن ہو جائے گا۔ ہر زمانے کی طرح آج بھی عمل سے ہی زندگی جنت یا جہنم بنتی ہے۔ ہمارا مستقبل ہمارے ہاتھ میں ہے اور ہمیں اختیار ہے ہم اسے جس طرح چاہیں تعمیر کریں۔ اقبال نے غلط نہیں کہا تھا کہ وقت ایک نیم کشیدہ لکیر ہے۔ جو سمت لکیر کی ہے اس پر چلنا ہوگا، پھر ہم اسے اپنی مرضی کے مطابق بھی لے جا سکتے ہیں۔

انجمن میں وزیر اعظم کشمیر کی آمد

کشمیر کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد صاحب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی فیکلٹی آف آرٹس کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے علی گڑھ تشریف لائے تھے۔ علی گڑھ میں انھوں نے تین دن قیام فرمایا چونکہ فرط شوق سے یونیورسٹی کا ہر شعبہ معزز مہمان کی پذیرائی کرنا چاہتا تھا اس لئے اُن کا پروگرام بہت چست تھا۔ پھر بھی بخشی صاحب نے انجمن ترقی اُردو (ہند) کے لئے کچھ وقت نکالا اور ۳۰ر مارچ کو تھوڑی دیر کے لئے انجمن کے صدر دفتر میں کرم فرمایا۔ کرنل بشیر حسین زیدی صدر انجمن، ڈاکٹر عبدالعلیم، ڈاکٹر مسعود حسین خاں (مقامی اراکین انجمن) جنرل سکریٹری اور کنور عماد احمد خاں صاحب و مولانا ضیاء احمد بدایونی نے موصوف کا استقبال کیا۔

بخشی صاحب نے انجمن کی کتابوں کا اسٹاک، اُردو کی نادر مطبوعات، مخطوطات، خود انجمن کی نادر مطبوعات اور موجودہ مطبوعات دیکھیں۔ لغت کا کام جواب بڑا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمایا۔ اور انجمن کی دیگر سرگرمیوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھا اور سُنا۔ پروگرام چلانے والوں کے تقاضوں کے باوجود مقررہ وقت سے کچھ زیادہ ہی دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ادارے سے دلچسپی ان کا دامن کھینچ رہی ہے۔

موصوف نے چلتے ہوئے جنرل سکریٹری کو خصوصی طور پر کشمیر آنے کی دعوت دی تاکہ انجمن کے اہم مسائل پر اطمینان سے بات چیت ہو سکے اور اُردو کے سلسلے میں جو کچھ ان کی توجہ سے ہو سکتا ہے اس کے لئے عملی قدم اٹھایا جائے۔

آخر میں صدر انجمن کے مبارک کانوں تک یہ مژدہ پہنچ کر عام ہوا کہ انجمن کو ریاست کشمیر کی جانب سے سالانہ پانچ ہزار مستقل امداد سال رواں سے ملتی رہے گی۔

موذن مرحبا بر وقت بولا
تری آواز مکے اور مدینے

حضرت امجد حیدرآبادی کا انتقال

اُردو کے مشہور شاعر حضرت امجد حیدرآبادی کا ۲۹ر مارچ ۱۹۶۱ء کو انتقال ہو گیا مرحوم کا شمار اساتذۂ اُردو میں تھا۔ اُن کی رباعیاں اُردو ادب کا قابل فخر سرمایہ ہیں۔ وہ اپنے فن میں عدیم المثال تھے۔ اُن کی عمر ۸۳ سال کی تھی۔ ادھر چند سال سے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی طبیعت اور کلام پر تصوف کا رنگ چھایا ہوا تھا۔

ہر چند کہ عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے۔ اُن کے انتقال کی خبر سے ادب دوستوں کو بڑا صدمہ ہوا کہ رباعی کا اتنا بڑا شاعر ہماری صفوں سے رخصت ہو گیا۔

انجمن کے جلسے

۲۰ر مارچ ۱۹۶۱ء کو انجمن کی مجلس مالی، ادبی اور مجلس عاملہ و عام کے جلسے انجمن کے دفتر میں منعقد ہوئے۔ کرنل بشیر حسین زیدی (صدر انجمن) مولانا حفظ الرحمن، پروفیسر رشید احمد صدیقی، راجندر سنگھ بیدی، ڈاکٹر سید عابد حسین، فضل الرحمن صاحب، ڈاکٹر عبدالعلیم، حمید سلطان صاحب، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، مولانا سعید الدین احمد ندوی، اور جنرل سکریٹری نے شرکت کی۔

۶۰-۱۹۵۹ء کی آڈٹ رپورٹ، حکومت ہند کی اڈہاک کمیٹی رپورٹ، ۶۲-۱۹۶۱ء کا بجٹ اور دیگر اہم امور پیش ہو کر منظور ہوئے۔ ایک کمیٹی اس غرض سے ترتیب دی گئی ہے کہ وہ حکومت کے اراکین سے مل کر اور غور و خوض کر کے اس امر میں مجلس عاملہ کو ایک تفصیلی رپورٹ دے کہ انجمن کا صدر دفتر دلی میں رکھنا مناسب ہوگا یا علی گڑھ میں۔ اس رپورٹ کے بعد انجمن کی مجلس اس معاملے کا فیصلہ کرے گی۔

ان جلسوں میں کان پور کی تجاویز کو عملی صورت دینے پر بھی غور کیا گیا۔

اڈہاک کمیٹی نے انجمن کی سالانہ امداد بڑھانے کی سفارش کی ہے اور دستور میں کچھ ترمیمات بھی تجویز کی ہیں۔ ان مسائل پر صدر اور سکریٹری متعلقہ حضرات سے تبادلۂ خیالات کریں گے۔

اِدھر اُدھر سے

ٹیگور کی کتابوں کی نمائش: رابندر ناتھ ٹیگور کی شائع شدہ کتابوں کی ایک نمائش امریکی کانگریس کی لائبریری میں منعقد ہو رہی ہے یکم اپریل سے ۳۰ر مئی تک جاری رہے گی۔ نمائش کا انتظام اس شہرۂ آفاق شاعر کی صد سالہ برسی منانے کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔ اس نمائش میں ٹیگور کی مشہور نظم "چترین" کا اصل مسودہ بھی رکھا جائے گا۔ کانگریس کی لائبریری میں ٹیگور کی شائع شدہ کتابوں کے بنگالی اور انگریزی ایڈیشن بھی موجود ہیں۔

۸۱ سال کے بعد کتاب واپس کی گئی: (از کتابی دنیا)

ایک ناول جو ۱۸۸۰ء میں کسی شخص کے نام جاری کیا گیا تھا، حال ہی میں مینٹن پبلک لائبریری (امریکہ) کو واپس کیا گیا ہے۔ معینہ مدت سے ایک دن زیادہ رکھنے پر ۲ سینٹ یومیہ جرمانہ کیا جاتا ہے۔ اس حساب سے کتاب لینے والے پر ۲۱۹۵۶ ڈالر کا جرمانہ عائد ہوتا ہے مگر لائبریری نے اپنی کتاب واپس لینے کی مہم میں جرمانہ کی رقمیں معاف کر دی ہیں۔

دیال سنگھ لائبریری:

دیال سنگھ لائبریری لاہور جو پچھلے ۱۲ سال سے بند پڑی تھی اب کھل گئی ہے۔ ڈاکٹر کورنی، قونصل جنرل امریکہ نے افتتاحی تقریب ادا کی۔

از نامی سیتاپوری

اقبال کا ایک منظوم خط

ہندوستان اور پاکستان میں ڈاکٹر اقبال پر اتنا زیادہ کام کیا جا چکا ہے کہ بظاہر اب اس کا امکان نظر نہیں آتا کہ ڈاکٹر اقبال کا یہ منظوم خط ان کے کسی مجموعے میں شامل نہ ہوا ہو۔ پھر بھی ڈاکٹر اقبال کا یہ خط "اقبالیات" کی ایک ایسی اہم کڑی ہے جسے سامنے آ ہی جانا چاہئے۔ اقبال کا یہ خط پہلی بار ماہنامہ مخزن لاہور (بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۰۲ء جلد ۲ شمارہ ۳) میں چھپا تھا جسے جناب لطفی رضوانی نے دوبارہ ماہنامہ عالمگیر لاہور (ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۴ء) میں شائع کرا دیا تھا جو من و عن پیش کیا جا رہا ہے۔

مرسلہ: لطفی رضوانی

علامہ اقبال کا ایک منظوم خط

حسن اتفاق سے اپنے ایک عزیز دوست کی کتابوں میں رسالہ "مخزن" بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۰۲ء جلد ۲ نمبر ۳ دستیاب ہوا۔ جس میں علامہ اقبال کی یہ نظم بھی تھی۔ جہاں تک میرا خیال ہے مرحوم کے کسی مجموعۂ کلام میں یہ نظم درج نہیں اور بہت ممکن ہے تلاش کرنے پر علامہ مرحوم کی اور چیزیں بھی دستیاب ہوں۔

خضر سے چھپ کے مر رہا ہوں میں — تشنہ کامِ مئے فنا ہوں میں
ہم کلامی ہے غیریت کی دلیل — خامشی پر مٹا ہوا ہوں میں
کانپ اٹھتا ہوں ذکرِ مرہم پر — وہ دلِ درد آشنا ہوں میں
تنکے چن چن کے باغِ الفت کے — آشیانہ بنا رہا ہوں میں
گلِ پژمردۂ چمن ہوں مگر — رونقِ خانۂ صبا ہوں میں
کارواں سے نکل گیا آگے — مثلِ آوازۂ درا ہوں میں
دستِ واعظ سے آج بن کے نماز — کس ادا سے قضا ہوا ہوں میں
مجھ سے بیزار ہے دلِ زاہد — دیدۂ حور کی حیا ہوں میں
بے زبانی ترانۂ شوق — سننے والے کو دیکھتا ہوں میں
میں نے مانا کہ بے عمل ہوں مگر — رمزِ وحدت سے آشنا ہوں میں
پردۂ میم میں رہے کوئی — اس چھلاوے کو جانتا ہوں میں
سب کسی کا کرم ہے یہ ورنہ — کیا مرا شوق اور کیا ہوں میں
میں کسی کو برا کہوں؟ توبہ — ساری دنیا سے خود برا ہوں میں
جام ٹوٹا ہوا ہوں میں لیکن — مئے حق سے بھرا ہوا ہوں میں
ایک دانے پہ ہے نظر تیری — اور خرمن کو دیکھتا ہوں میں
تو جدائی پہ جان دیتا ہے! — وصل کی راہ سوچتا ہوں میں
بھائیوں میں بگاڑ ہو جس سے — اس عبادت کو کیا سراہوں میں
بت پرستی تو ایک مذہب ہے — کفرِ غفلت کو جانتا ہوں میں
مرگِ اغیار پر خوشی ہے تجھے — اور آنسو بہا رہا ہوں میں

میرے رونے پہ ہنس رہا ہے تو
تیرے ہنسنے پہ رو رہا ہوں میں

عقل نے ایک دن یہ دل سے کہا — بھولے بھٹکوں کی رہنما ہوں میں
ہوں زمیں پر، گزر فلک پہ مری — دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
علم پلتا ہے میری گودی میں — رازِ ہستی سے آشنا ہوں میں
رہبری دہر میں ہے کام مرا — رشکِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں
ہوں مفسر کتابِ ہستی کی — مظہرِ شانِ کبریا ہوں میں
تو مری ہمسری کرے - توبہ — دیدۂ ہست کی ضیا ہوں میں
بوند اک خون کی ہے تو لیکن — غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں
دل نے سن کر کہا یہ سب سچ ہے — پر مجھے بھی تو دیکھ کیا ہوں میں
رازِ ہستی کو تو سمجھتی ہے — اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں
میرے دم سے جہان بستا ہے — اس اندھیرے میں چاندنا ہوں میں
ہے تجھے واسطہ مظاہر سے — اور باطن کو دیکھتا ہوں میں
علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے — تو خدا جو، خدا نما ہوں میں
علم کی انتہا ہے بے تابی — اس مرض کی مگر دوا ہوں میں
شمع تو محفلِ صداقت کی — حسن کی بزم کا دیا ہوں میں
کس بلندی پہ ہے مقام مرا — عرشِ ربِّ جلیل کا ہوں میں
گلشنِ طور سے بہار مری — قطرۂ بحر آشنا ہوں میں

تو ہے وابستۂ زمان و مکاں
اور اس قید سے رہا ہوں میں

ہائے یہ دل جو میرے پہلو میں — تو یہ سمجھے کہ دیرپا ہوں میں
اہلِ دل کو بگاڑ سے مطلب — سب بزرگوں کی خاکِ پا ہوں میں

فیضِ اقبال ہے اُسی در کا
بندۂ شاہِ لافتا ہوں میں

نوٹ:- بانگ درا میں "عقل و دل" کے عنوان سے دوسرے حصے کے زیادہ تر اشعار آگئے ہیں۔ (ادارہ)

غلام آدم

غزل

رات روشن ہے تو گیسو کے شبستانوں تک
صبح ہوتی ہے تو رخسار کے دیوانوں تک

مستیِ جام ہے خیام کے میخانوں تک
شوخیِ فن ہے تو آذر کے صنم خانوں تک

کتنی تاریک ہے ہستی کی ہر اک راہ گزر
شمع جلتی ہے مگر فکر کے ایوانوں تک

حسن کے پیکرِ سیمیں سے چھلکتی ہے شراب
عشق بیتاب ہے جذبات کے پیمانوں تک

قصرِ شیریں سے کہاں پہنچے گی سورج کی کرن
یہ حقیقت ہے مگر چاک گریبانوں تک

میرے ناقد تو مری خشک بیانی پہ نہ جا
آ مرے ساتھ معانی کے گلستانوں تک

مراسلات

نواب یا بادشاہ؟ اکثر غلطی سے واجد علی شاہ کے نام کے ساتھ "نواب" کا لفظ لگا دیا جاتا ہے۔ راقم نے یکم فروری ۱۹۶۱ء کے ہماری زبان میں اس غلطی کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اس سلسلے میں حضرت سراج دھولپوری نے ۱۵ر مارچ کے ہماری زبان میں تحریر فرمایا ہے:۔

"واجد علی شاہ کے نام کے ساتھ "نواب" کا لکھا جانا ان کے آبائی لقب کے ذیل میں آتا ہے جس طرح سلطان، دکن، خسرو دکن، شہریار دکن"

اودھ کے ابتدائی پانچ فرماں روا "نواب وزیر" کہلاتے تھے۔ اس لئے کہ وہ بادشاہ دہلی کے نائب تھے اور ان کو بادشاہ کی سرکار سے قلمدان وزارت عطا ہوتا تھا۔ غازی الدین حیدر کے عہد حکومت میں یہ نیابت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اودھ کے آخری پانچ فرماں رواؤں کی حیثیت خود مختار بادشاہ کی ہو گئی برطانوی حکومت ان کو بادشاہ مانتی اور "ہز مجسٹی" کے خطاب سے یاد کرتی تھی۔ واجد علی شاہ کے والد امجد علی شاہ اور دادا محمد علی شاہ کے نام کے ساتھ "نواب" کا لفظ کبھی نہیں لکھا جاتا۔ اس لئے یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ "نواب" واجد علی شاہ کا آبائی لقب تھا۔ بادشاہ کے نام کے ساتھ "نواب" لکھنے کی غلطی واجد علی شاہ کے نام کے ساتھ مخصوص ہے اب اس غلطی پر اصرار کیا جا سکتا ہے لیکن برطانوی حکومت اور واجد علی شاہ کی سلطنت کے زمانے میں اگر کوئی ایسا کرتا تو یہ غلطی جرم قرار پاتی اور اس کا ارتکاب کرنے والا قانون کی گرفت میں آجاتا۔

نظام دکن کی مثال جو اس سلسلے میں پیش کی گئی ہے وہ درست نہیں ہے، کیونکہ وہ "ہز ہائی نس دی نظام آف حیدرآباد" تھے اور واجد علی شاہ "ہز مجسٹی دی کنگ آف اودھ" تھے۔ یہ مثال اس لئے بھی درست نہیں ہے کہ ایک جگہ ایک والی ریاست کو سلطان، خسرو اور شہریار کہنے سے اس کی شان بڑھتی ہے اور دوسری جگہ ایک بادشاہ کو نواب کہنے سے اس کی شان گھٹتی ہے۔

(سید مسعود حسن رضوی ادیب)

سرور دہلوی کی تاریخ وفات ۱۵ر اگست ۱۹۶۰ء کے ہماری زبان میں فرخ جلالی صاحب نے مفتی آزردہ کی کہی ہوئی اعظم الدولہ سرور کی تاریخ وفات اس طرح سپرد قلم کی تھی۔

نواب محمد میر خاں بہادر
گردر ماہ صفر فوت شدند
۱۲۶۰ھ

میں نے ۲۲ر مارچ ۱۹۶۱ء کے شمارے میں اعتراض کر دیا کہ "در ماہ صفر فوت شدند" سے ۲۲۲۴ھ برآمد ہوتا ہے۔ کل میرے رفیق کار پروفیسر ابو محمد صاحب نے میری افسوسناک غلطی کی طرف توجہ دلائی۔ میں سہواً ص کے اعداد ۹۰ کی بجائے ۹۰۰ لکھ گیا تھا۔

حقیقتاً "در ماہ صفر فوت شدند" سے ۱۲۶۴ھ اور "ماہ صفر فوت شدند" سے ۱۲۶۰ھ برآمد ہوتا ہے۔ "ماہ صفر فوت شدند" عجیب سی تاریخ ہے۔ گلشن بے خار ۱۲۵۰ہجری میں مکمل ہوا اس میں شیفتہ نے لکھا ہے کہ اس تذکرے کی تکمیل سے کچھ ہی قبل سرور کا انتقال ہو گیا معلوم نہیں آزردہ نے ۱۲۶۰ہجری کو تاریخ وفات کیونکر قرار دیا۔ (گیان چند بھوپال)

اُردو کی ترقی کے ذرائع کسی زبان کو عدالتی حیثیت حاصل ہو جانے یا اشتہار بازی کا ذریعہ بنانے سے اس زبان کی زندگی کا ثبوت نہیں ملتا! حال کی بات ہے کہ انگلستان کے کسی شہر کے ایک مقامی سینما میں اردو زبان میں اشتہار دیا گیا تو کیا انگلستان کی زبان اُردو ہو گئی؟

اردو داں طبقے کو سنجیدگی کے ساتھ اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ وہ کون سے خیالات ہیں، وہ کون سے علوم ہیں اور وہ کون سے فلسفے ہیں جسے اُردو زبان نے پیش کیا ہے اور جس سے شناسائی غیر اُردو داں طبقہ ہی نہیں بلکہ اُردو داں طبقہ کے لئے بھی ضروری ہے۔ ضرورت پیدا ہونے سے اشیاء فراہم ہو ہی جایا کرتی ہیں۔ یہی قانون فطرت ہے۔ اگر اردو زبان ایسے خیالات اور فلسفے پیدا کرے تو اس کے لئے ناشر بھی مل جائیں گے، مطبع بھی پیدا ہو جائے گا اور اس زبان کے قدر داں بھی بڑھتے جائیں گے۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا ہے کہ وہ پہاڑ کی چوٹی کو سر کر لینا تو آسان ہے مگر اُردو زبان کو زندہ رکھنا تقریباً ناممکن ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اُردو کی دوستی کا دم بھرنے والے سر جوڑ کر بیٹھیں اور تجزیہ کریں کہ دنیا کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں کے مقابلے میں اُردو زبان کی حیثیت کیا ہے؟ علوم و فنون کی وہ کون سی راہیں ہیں جن کی بادیہ پیمائی کے لئے یہ زبان دعوت دیتی ہے، عالمی انتشار کے دور کرنے کے لئے وہ کون سے حل ہیں جو یہ زبان پیش کرتی ہے۔ اور یہاں میدان ثقافت کی وہ کون سی دوڑ ہے، جس میں اُردو داں ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ مُردہ نقشوں کو سامنے رکھ کر گھسر پھسر رہنے سے اسلاف کے اس شاہکار ورثہ کو ہم بچا نہ سکیں گے۔ (مسافر بمبئی)

انجمن کا خبر نامہ

ٹیکم گڑھ میں پنج سالہ پلان کا مشاعرہ

ٹیکم گڑھ ۲۳ر مارچ سنہ ۱۹۶۱ء یہاں پنج سالہ پلان کی نمائش کے موقع پر مقامی حکومت کے زیر اہتمام بزم ادب کے ذریعہ ایک بڑے مشاعرے کا انعقاد عمل میں آیا جس میں قومی ترقیات، شراب بندی، تعلیم نسواں اور ہندو مسلم اتحاد پر اچھی اچھی نظمیں پڑھی گئیں۔ بعد ازاں غزلوں کے متواتر کئی دور ہوئے۔ صدارت کے فرائض جناب تہنی بہادر صاحب سرور نے انجام دئے۔ اسی مشاعرے میں بیرونی شعراء حضرات ارشد صدیقی، شباب نقوی، رشید انجم، یعقوب پرویز، مجیر، انور سیفی، محترمہ منور روشن، محترمہ ناز صاحبہ، وحشی بھارتی، جمشید مراد آبادی اور مزاحیہ شاعر قاسم صاحب کے علاوہ مقامی شعراء حضرات سرور، نہال، ہلال، سحر وردا اور مزاحیہ شاعر احمد وغیرہ نے شرکت کی۔ سامعین کی تعداد کا اندازہ پانچ ہزار کے قریب تھا مشاعرہ بڑی پرسکون فضا میں ۳ بجے شب تک جاری رہا جس میں جملہ مقامی افسران سرکاری نیز تمام معززین شہر نے پوری دلچسپی کا ثبوت دیا۔ یہ جلسہ آئندہ مدھیہ پردیش کے علاقے میں اردو ادب کی ابھرتی ہوئی دلچسپیوں کا ایک بین ثبوت تھا۔

(سنگتا پرشاد سنہا شرر الہ آبادی)

اُردو شاعر کی قدردانی

انبالہ چھاؤنی ۲۷ر مارچ سنہ ۱۹۶۱ء شری ادم پرکاش ملک جنرل سکریٹری انجمن ترقی اُردو (ہند) پنجاب شاخ نے اخبارات کے نام ایک بیان میں پنجاب سرکار کی سراہنا کی کہ اس نے ہندی اور پنجابی زبان کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کے ایک شاعر کو بھی اپنی سالانہ تقریب منعقدہ ۲۶ر مارچ سنہ ۱۹۶۱ء میں ۱۱۰۰ روپیہ نقد اور عزت دے کر انصاف پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ ملک صاحب نے کہا کہ انجمن ترقی اردو (ہند) پنجاب شاخ پچھلے کئی سالوں سے یہ مانگ کر رہی تھی کہ ایسا کیا جانا چاہئے کیونکہ پنجاب میں اُردو زبان کا ایک خاص مقام ہے۔ اُردو زبان کے شاعر، ادیب اور مفکر صوبہ کی کسی دوسری زبان سے ملک کی ترقی اور تعمیر کے کاموں میں ہرگز ہرگز پیچھے نہیں ہیں۔

پنجاب میں اُردو زبان کا چلن اور استعمال صدیوں سے ہے اور اس زبان نے ملک کے تمام فرقے کے لوگوں کو اکٹھا کرنے میں ایک اہم پارٹ ادا کیا ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ پنجاب سرکار کے محکمہ لسانیات میں ڈائرکٹر جنرل کی دیکھ بھال میں ہندی اور پنجابی زبان کے محکمہ کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کا بھی ایک محکمہ شروع کیا جانا چاہئے تاکہ اُردو زبان کے بہی خواہ اور انجمن ترقی اُردو کے لوگ یہ محسوس کر سکیں کہ اس زبان کے ساتھ بھی منصفانہ سلوک روا رکھا جا رہا ہے اور اس زبان کی ترقی و ترویج کے لئے تمام تر آسانیاں میسر ہیں۔

ملک صاحب نے پنجاب کے وزیر اعلیٰ سردار پرتاپ سنگھ کیروں، وزیر تعلیم پنڈت امرناتھ ودیا النکار، نائب وزیر تعلیم شری بشن جی اور محکمہ لسانیات کے ڈائرکٹر جنرل گیانی لال سنگھ سے درخواست کی کہ وہ اس جائز مانگ کو اپنی پہلی فرصت میں پورا کرنے کی کوشش کریں۔

(ادم پرکاش ملک)

انجمن ترقی اُردو سوجت (راجستھان)

انجمن ترقی اُردو سوجت (راجستھان) کا ایک جلسہ ۲۶ر مارچ سنہ ۱۹۶۱ء کو صدر انجمن سید مہدی حسن صاحب قریشی ایل۔ ایل۔ بی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ حسب ذیل قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی۔

"درجہ اول سے پنجم تک کے لئے حکومت راجستھان نے مادری زبان کی تعلیم مادری زبان میں دیا جانا طے کر دیا ہے۔ مگر اس وقت تک محکمہ تعلیم سے سوائے ایک ایک ریڈر ادب کے اور کسی مضمون کی کتاب کو منظور نہیں کیا گیا جس سے بچوں کی تعلیم کا بڑا ہرج ہو رہا ہے اور حکومت کے حکم کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔ لہٰذا یہ جلسہ اپیل کرتا ہے کہ آئندہ سیشن سے پہلے پہلے کل مضامین کی کتابیں بزبان اُردو تجویز ہو کر سلیبس میں شائع ہونے کا انتظام کیا جائے تاکہ بچوں کا ہرج نہ ہو اور حکومت کے حکم کی تعمیل ہو جائے۔

(سکریٹری انجمن ترقی اُردو سوجت)

راجستھان میں درسی کتابیں

حکومت راجستھان نے مادری زبان اُردو کے متعلق سرکاری اسکولوں میں پہلی کلاس سے پانچویں کلاس تک اُردو تعلیم کا سلسلہ جاری کرنے کی منظوری دے دی ہے اور یہ طے کیا ہے کہ راجستھان میں مادری زبان کی تعلیم مادری زبان کے ذریعے دی جائے مگر اس وقت تک محکمۂ تعلیم سے سوائے ایک زبان کی ریڈر کے اور کسی مضمون کی کتاب منظور نہیں کی گئی ہے جس سے بچوں کی تعلیم کا بڑا حرج ہو رہا ہے اور حکومت کے حکم کی خلاف ورزی۔ اس لئے آئندہ سیشن سے پہلے پہلے اُردو میں کُل مضامین کی کتابیں منظور کر کے شائع ہونے کا انتظام کیا جائے تاکہ بچوں کی تعلیم کا حرج نہ ہو۔

(حاجی عبدالرزاق خاں صدر شاخ انجمن ترقی اُردو اسلام پور)

انجمن ترقی اردو نوگانواں سادات

۱۴ر مارچ ۱۹۶۱ء بروز منگل انجمن ترقی اردو نوگانواں سادات کا عام سالانہ اجلاس انجمن کے دفتر میں شام ۔ بجے شروع ہوا صدارت علامہ شفق نوگانوی نے کی۔ عماد الحسن فکر نے انجمن کی سالانہ رپورٹ سنائی۔ اس اجلاس میں سب مذہب و ملت کے نمائندوں اور نوگانواں کی تمام انجمنوں کے ممبران نے شرکت کی۔

نئے سال کے لئے مجلس منتظمہ کے ممبروں اور عہدہ داروں کا چناؤ ہوا۔

صدر۔ علامہ شفق نوگانوی، نائب صدر۔ انور نوگانوی، جنرل سکریٹری۔ عماد الحسن فکر، نائب سکریٹری۔ اصغر حسین اصغر، پروپیگنڈا سکریٹری۔ نسیم ناظمی، خازن۔ مولوی ظفر حسین صاحب، اڈیٹر۔ شان رضا نوگانوی،

ممبران:۔ سید علی مختار، رحمت اللہ، سوشل ورکر سید ناظر حسین، سید صادق حسین سحر، منظر حسین سہیل، رضا عباس انجم، سید شریف الحسن، سید شمیم حیدر، سید طاہر حسین، سید شمیم حیدر رئیس، حافظ محمد شفیع، شیخ سیٹھ جعفر بھائی، سید اختر حسین، محمد عباس دانش، ثمر گنشتہ

دوسرا اجلاس دوپہر ۳ بجے شروع ہوا جسکی صدارت جناب صابر نوگانوی نے کی۔ انجمن کی مجلس عاملہ نے یہ فیصلہ کیا کہ نوگانواں کے شاعروں کا کلام کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ اس کام کے لئے ایک ادبی بورڈ قائم کیا جائے جو تمام شعراء کے کلام کا جائزہ لے کر اور ترتیب دے کر ۳ مئی ۱۹۶۱ء تک انجمن کی مجلس عاملہ کو پیش کر دے۔ مجلس عاملہ نے ادبی بورڈ کے مندرجہ عہدیداروں اور ممبروں کا چناؤ کیا۔

صدر۔ جناب صابر نوگانوی، نائب صدر۔ مختار حسین صاحب مختار، جنرل سکریٹری۔ جناب شبنم رومانی،

ممبران:۔ مسٹر تاج عالم بی۔ ایس سی، اقبال عابدی۔ بی کام، بدر، زبیری۔ ایم۔ اے، ناطق، ساجد، راز، ناشاد، شوخ نگ، عابد، سلطان حیدر زیدی، سید یوسف حسین،

چناؤ کے بعد شبینہ اسکول کھولنے کیلئے بجٹ منظور کیا گیا اور ایک لائبریری کھولنے کے لئے فیصلہ کیا گیا۔

یہ اجلاس ۶ بجے شام کو ختم ہوا۔

رات کو ۸ بجے سے مشاعرہ منعقد ہوا جس کی صدارت جناب انور زیدی نے کی۔ مقامی و بیرونی شعراء نے شرکت کی۔ شبنم۔ شوخ نگ۔ سحر۔ خوشتر۔ علامہ شفق۔ نسیم ناظمی۔ تنویر کانپوری۔ انور کانپوری۔ ناشاد۔ انور نوگانوی۔ صابر۔ حجاب دہلوی۔ نیاز لدھیانوی۔ کلیم امبالوی۔ ساجد امروہوی۔ راز کانپوری۔ ناز دہلوی۔ فکر۔ نازش لکھنوی۔ ثاقب بجنوری۔ ضیا بجنوری۔ ریاض سہر گھٹی۔ سحر احمد آبادی۔ ناصر۔ کشور۔ شمیم۔ عادل مراد آبادی۔ نگار برکی۔ یہ مشاعرہ رات کو ۳ بجے ختم ہوا۔ (نسیم نوگانوی)

انجمن ترقی اردو لکھنؤ

انجمن ترقی اردو لکھنؤ کی تعلیمی مہم کے آغاز اور طریق کار کو طے کرنے کے لئے جنرل سکریٹری نے ایک مشاورتی جلسہ ماہرین تعلیم کا کیا، اس جلسے کی دو نشستیں ہوئیں۔ دوسری نشست سید امیر حسن نورانی کے مکان پر ہوئی جس میں جنرل سکریٹری ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، محمد یونس خالدی سید امیر حسن نورانی، محمد جعفر مرزا وغیرہ شریک ہوئے۔ اس جلسہ میں طے کیا گیا کہ بڑا مشاورتی جلسہ کیا جائے جس میں مختلف ادبی و علمی اداروں کے نمائندگان کو مدعو کیا جائے اور بیسک اسکولوں میں اردو تعلیم کا جائزہ لینے کے لئے باقاعدہ جد و جہد کیجائے۔

(منظر سلیم۔ پروپیگنڈا سکریٹری)

جامعہ اردو کا جلسہ تقسیم اسناد

۲ر اپریل ۱۹۶۱ء کو علی گڑھ میں پنڈت راج ناتھ کنزرو صاحب کے زیر صدارت جلسہ تقسیم اسناد ہوا۔ جامعہ اردو کی ۱۹۶۰ء کی کارگذاری کی تفصیلی رپورٹ رجسٹرار جامعہ اردو نے سنائی اس کے بعد کامیاب امیدواروں کو اسناد اور میڈل کرنل بشیر حسین زیدی صاحب نے تقسیم فرمائے۔

کامیاب طلبہ سے خطاب ڈاکٹر بی گوپال ریڈی وزیر الیات و شہری مصارف نے کیا۔ آپ نے کہا کہ اس موقع پر میری یہ توقع شاید بے جا نہ ہوگی کہ آپ شمع اردو کو فروزاں اور شمع علم کو روشن رکھیں گے۔ اس کی حفاظت کیلئے ہر باد مخالف کو موڑ دیں گے۔ اس کا خیال رہے کہ اردو کا پیغام ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچانے کا مقدس فرض آج آپکے سپرد ہو رہا ہے۔ علی گڑھ کی ادبی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے آپنے فرمایا کہ اردو کے ہر پرستار کا دل اس زبان کا گھر ہے اور یہ گھر ملک کے ہر حصے میں آباد ہیں کیونکہ اس زبان کے جاننے والے ہماری پندرہ ریاستوں میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ آپنے آزادی کے بعد اردو کی طرف سے بے اعتنائی پر اظہار افسوس فرماتے ہوئے اس طرف توجہ دلائی کہ اردو داں طبقے کو دوسری زبانوں کے سیکھنے کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

شکریہ ادا کرتے ہوئے شیخ الجامعہ جناب کرنل بشیر حسین زیدی صاحب نے فرمایا کہ اردو کے ہر پرستار کا دل اگر اس زبان کا گھر ہے تو آپکا گھر ہمارا دل ہے۔ آپ کی تشریف آوری نے ہمیں نیا عزم و حوصلہ بخشا ہے۔ جامعہ اردو اپنی محدود بساط کے باوجود دوسری زبانوں کی طرف توجہ دیگی جناب صدر پنڈت راج ناتھ کنزرو صاحب امیر جامعہ اردو نے شکریے کے اظہار کے ساتھ فرمایا کہ میں یہ اعلان کرتے ہوئے اطمینان محسوس ہوتا ہے کہ جامعہ اردو کے امتحانات میں شرکت کرنے والے پہلے ہی دوسری زبانوں سے کما حقہ آگاہ ہوتے ہیں۔ جناب محترم گوپال ریڈی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے آپنے فرمایا کہ میں صرف اس لئے آپکا شکریہ ادا نہیں کرتا ہوں کہ آپ تشریف لائے بلکہ اس لئے بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپنے اپنا خطبہ اردو میں لکھا اور اردو رسم الخط کے نسخے سے ہی پڑھ کر سنایا۔ ڈاکٹر بی گوپال ریڈی کو جامعہ کی نئی عمارت بھی دکھائی گئی اور اس ادارہ کی مطبوعات بھی پیش کی گئیں۔

ہند پاک کلچرل کانفرنس

اس کانفرنس کا وزیراعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۳ مارچ کو افتتاح کیا تھا۔ شام میں کانفرنس چار کمیٹیوں میں تقسیم ہو گئی ان میں سے ہر کمیٹی نے اردو، بنگالی، پنجابی اور سندھی زبان کے مسائل کا جائزہ لیا۔ تقریباً ڈھائی سو ادیبوں، شاعروں، نقادوں، فنکاروں اور ماہرین تعلیم نے حصہ لیا۔ سب سے اہم مباحث اردو زبان کے رہے جن کی صدارت ڈاکٹر تاراچند نے کی۔ اس میں دو سو مندوبین نے شرکت کی۔ ڈاکٹر تاراچند نے اپنی تقریر میں کہا کہ اردو زبان کو ہند و پاکستان کے بیس کروڑ افراد بولتے اور سمجھتے ہیں۔ دونوں ممالک میں اس زبان کی ترقی کی کوشش کی جانی چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ اس زبان کی متوازن ترقی کے لئے ایسی ہند پاک کانفرنسیں زیادہ منعقد ہونی چاہئیں۔

حفیظ جالندھری نے اردو ادب پر مباحثے کا آغاز کیا۔ ان کے بعد احتشام حسین نے آزادی کے بعد ہندوستان میں تحقیق و تنقید کا جائزہ لیا۔

شاہد احمد دہلوی نے پاکستان میں اردو کی ترقی پر روشنی ڈالی۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے آزادی کے بعد اردو شاعری کا جائزہ لیا۔

ڈاکٹر زور نے آندھرا میں اردو کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ امید ظاہر کی کہ عثمانیہ یونیورسٹی میں پھر اردو کو ذریعۂ تعلیم بنایا جا سکے گا۔

پروفیسر آل احمد سرور نے آزادی کے بعد اہم ادبی میلانات کا جائزہ لیتے ہوئے نظم کی ترقی کو فال نیک بتایا۔ ڈاکٹر عبدالعلیم نے عوام سے رابطے پر زور دیا۔ کچھ مقالے وقت کی کمی کی وجہ سے نہ پڑھے جا سکے۔

دوسرے دن مشترک اجلاس میں اردو، ہندی، بنگالی، پنجابی اور سندھی ادب کے اہم میلانات پر تقریریں ہوئیں۔ پنجابی زبان کے متعلق مباحث میں سابق پاکستانی ہائی کمشنر مسٹر اے۔ کے بروہی نے بھی حصہ لیا۔ اور کہا کہ اس زبان میں اردو سے زیادہ ادب کی تخلیق کی گئی ہے۔ سندھی زبان پر بحث کے دوران ہندوستان و پاکستان ہر دو ممالک کے مندوبین نے اس زبان کے متعلق حکومت کی بے پروائی پر سخت تنقید کی اور کہا کہ دونوں ممالک کی حکومتیں اس زبان کی ترقی پر خاطر خواہ توجہ نہیں دے رہی ہیں۔

ہند پاک مشاعرہ

دلی میں ۲۵ مارچ پہلی اپریل کو حسب دستور شنکر لال مرلی دھر میموریل سوسائٹی کا آٹھواں سالانہ ہند پاک مشاعرہ ہوا مشاعرہ میں دونوں ملکوں کے شعراء کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی۔

شعراء میں حضرت فراق گورکھپوری۔ جوش ملیح آبادی۔ حفیظ جالندھری۔ علی سردار جعفری۔ ساحر لدھیانوی۔ سید محمد جعفری۔ جگن ناتھ آزاد۔ مخدوم محی الدین۔ زہرہ نگاہ وغیرہ تھے۔

بیگم امجد کو گورنر کا تعزیتی پیغام

جناب بھیم سین سچر گورنر آندھرا پردیش نے حضرت امجد حیدرآبادی کی وفات پر بیگم امجد کے نام ایک تعزیتی خط اور ۵۰۰ روپے کا چیک روانہ کیا ہے۔ یہ پیام گورنر صاحب کے سکریٹری سید ہاشم علی نے شخصی طور پر آج بیگم امجد کو پہنچایا۔ گورنر صاحب کا خط :-

گورنر آندھرا پردیش۔ راج بھون حیدرآباد۔

یکم اپریل سنہ ۱۹۶۱ء

محترمہ بیگم امجد صاحبہ۔

آپ کے مایۂ ناز شوہر کی وفات کی خبر سن کر مجھے دلی رنج ہوا ہے۔ ان سے مل کر مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی تھی اور میرے دل میں ان کے لئے بہت عزت اور پیار تھا۔ حیدرآباد بالخصوص اور ہمارا ملک عام طور پر ان کی گراں قدر خدمات کو نہیں بھول سکتا۔ خدا ان کی روح کو شانتی اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے کہ آپ اس بھاری صدمہ کو برداشت کر سکیں۔

بھیم سین سچر

وزیر اعظم کو ادبی تحفہ

وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کو سنیچر کے روز اردو کی دو نایاب کتابیں :- تذکرہ عمدہ منتخب (مصحفی) اور دہ مجلس (فضلی) پیش کی گئیں جن کو دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو نے شائع کیا ہے۔

دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ایک ادیب کے لئے کتاب سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا۔

وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں ہندی اور اردو کے قریبی تعلق کا تذکرہ کیا اور کہا کہ جو لوگ ان زبانوں کی ترقی کے لئے کام کر رہے ہیں ان کو اس تعلق کو نہ بھولنا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ ہندی کو اردو سے بہت کچھ مل سکتا ہے۔

وزیر اعظم نے کہا کہ شعبۂ اردو (دہلی یونیورسٹی) اردو کی ترقی کے لئے کام کر رہی ہے۔ دہلی اردو ادب کا ایک مرکز رہی ہے۔

یونیورسٹی شکاگو میں اردو

اردو کے ایک ادیب اور نقاد جناب حفظ الکبیر کو شکاگو یونیورسٹی کے شعبۂ لسانیات میں اردو کا لکچرار مقرر کیا گیا ہے۔ آپ گذشتہ ماہ میں ہندوستان سے امریکہ گئے ہیں۔

(نامہ نگار)

براہ کرم دیکھئے
اگر آپ کے پرچے پر سرخ نشان ہے تو یہ اس بات کی
علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔ آپ کی
خریداری ختم ہو جائے گی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہماری زبان
کی سالانہ قیمت بذریعہ منی آرڈر جلد سے جلد
بھیجئے تاکہ پرچہ کا سلسلہ جاری رہے۔
منیجر

بقیہ

ہندوستانی زبانوں کے لئے مشترک اکائی کا عروض

ماترک چھند کے اعتبار سے تین تین حروف کو جوڑنے سے جو ارکان بنتے ہیں انھیں "گن" کہتے ہیں جو حسب ذیل ہیں :۔

دو حرفی گن (اکائیاں)

	گن	علامت
(1)	IAMB	⏑ —
(2)	PYRRHIC	⏑ ⏑
(3)	SPONDEE	— —
(4)	TROCHEE	— ⏑

سہ حرفی گن (اکائیاں)

	گن یا Combination of Syllables	علامت	زبان		گن	علامت	زبان
(1)	MOLOSSUS	— — —	انگریزی	(1)	مگن	SSS	ہندی
(2)	TRIBRACH	⏑ ⏑ ⏑	"	(2)	نگن	III	"
(3)	DACTYL	— ⏑ ⏑	"	(3)	بھگن	SII	"
(4)	ANTIBACCHIC	⏑ — —	"	(4)	یگن	ISS	"
(5)	AMPHIBRACH	⏑ — ⏑	"	(5)	جگن	ISS	"
(6)	ANAPAEST	⏑ ⏑ —	"	(6)	سگن	IIS	"
(7)	BASCHIC	— — ⏑	"	(7)	تگن	SSI	"
(8)	CRATIC	— ⏑ —	"	–	–	–	–

چار حرفی گن یا اکائیاں

	گن	علامت
(1)	Antipaest	⏑ — — ⏑
(2)	Choriamb	— ⏑ ⏑ —
(3)	Di-Iamb	⏑ — ⏑ —
(4)	Di-Spondee	— — — —
(5)	Di-Trochee	— ⏑ — ⏑
(6)	Epi Trite	⏑ — — —
(7)	"	— ⏑ — —
(8)	"	— — ⏑ —
(9)	"	— — — ⏑
(10)	Pyrrhic Iamb	⏑ ⏑ ⏑ —

ماترک چھند کے اعتبار سے بحر میں استعمال کیا گیا گن اکائی نہیں ہوتا بلکہ ساری بحر یا مصرع از خود ایک اکائی ہوتا ہے۔ وزن کی جانچ کے لئے اس اصول کے تحت ہر بحر میں مساوی ماترائیں ہوتی ہیں اور آخری حروف مقفّیٰ ہوتے ہیں۔ یہ اصول بھی شاعر کے لئے آسان نہیں ہیں۔ ماترائیں گن گن کر وہ بدحال ہو جاتا ہے۔

ہندی کا ایک اور عروضی اصول جیسا کہ اوپر بتایا گیا "ورنک چھند" کا ہے۔ اس میں شعر کا وزن پرکھنے کے لئے حروف کی گنتی کی جاتی ہے اور ان کی ترکیب مقررہ گنوں کی ترتیب کے سانچوں کے مطابق ہوتی ہے۔

مثلاً "شرد لاوکریڑتی" ایک بحر ہے جس میں گنوں کی ترتیب یوں ہے :۔

(1) SSS (2) IIS (3) ISI (4) IIS (5) SSI (6) SSI (7) S

مثلاً مصرع ہے :۔

प्रातः काल अपूर्व यान मंगवा श्री साथ ले सारथी

اس مصرع میں "پراتاہ کال اپُروَ یان منگواؤ" والا ٹکڑا Bacchic وضع کا ہے جبکہ "ساتھ لے سارتھی" کا چھوٹا آدھا ٹکڑا دوسری قسم کی بحر کا ہے جو Amphibrach ہے۔ سنسکرت پنگل پر پورا اترنے کے باوجود یہ مصرع غیر مترنم محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلا حصہ انگریزی عروض کے اعتبار سے Bacchic کے چار فیٹ یا اکائیوں کا ہے اور دوسرا حصہ Amphibrach کی دو اکائیوں یا فیٹ کا ہے۔ گو انگریزی عروض میں اکائیوں کی کمی یا زیادتی سے بحر نہیں بدلتی مگر یہ بات لازم و ملزوم ہے کہ نظم کی ساری اکائیاں کسی مشترک اکائی کی بنیاد پر ہونی چاہئیں۔ اور اگر کہیں کہیں تنوع کی خاطر دوسری اکائیاں بھی لائی جائیں تو وہ ایسی ہونی چاہئیں جو وزن اور ترنم میں مساوی ہوں۔ یہاں ایک ہی مصرع میں Amphibrach اور Bacchic کی دو اکائیاں استعمال ہوئی ہیں وہ آپس میں مترنم اور ہم وزن نہیں ہیں۔

فارسی عروض کے بارے میں اوپر مختصراً بتایا جا چکا ہے کہ مصرع کی تقطیع کرنے کے لئے یہاں کوئی اکائی کا اصول نہیں ہے۔ علاوہ پورے مصرع کو ایک اکائی تصور کیا جاتا ہے سہولت کے لئے اس مترنم مصرع کی تقسیم ایک غیر مترنم ڈھنگ سے کی جاتی ہے۔ مثلاً ہزج مسدس اخرم اشتر محذوف ایک بحر ہے جس کے اوزان یوں ہیں :۔ مفعولن۔ فاعلن۔ فعولن۔ ذیل کے شعر کی تقطیع سے ظاہر ہوگا کہ مصرع کی تقسیم سے جو ٹکڑے بنتے ہیں وہ آپس میں مساوی الوزن اور مترنم نہیں ہیں۔ مثلاً شعر ہے :۔ "کاٹا دن تو تڑپ تڑپ کر۔ آفت کی رات سر پہ آئی"۔

تقطیع	کاٹا دن	تو تڑپ	تڑپ کر	آفت کی	رات سر	پہ آئی
اوزان	مفعولن	فاعلن	فعولن	مفعولن	فاعلن	فعولن

اسی شعر کی انگریزی عروضی اصول کے تحت تقطیع کی جائے تو ہر مصرع دو مساوی اور مترنم ٹکڑوں میں تقسیم ہوتا ہے اور ظاہر ہے یہی سب سے زیادہ سائنٹفک طریقہ ہوگا کہ ہر ٹکڑے کو اکائی تصور کیا جائے جس کا وزن اور ترنم دوسرے ہر ٹکڑے کے برابر ہوگا۔

علامات اوزان	— ◡ — ◡	◡ — ◡ — ◡	— ◡ — ◡ —	◡ — ◡ — ◡
تقطیع	کاٹا دن تو	تڑپ تڑپ کر	آفت کی را	ت سر پہ آئی

انگریزی عروض، فارسی اور سنسکرت عروض کے مقابلے میں زیادہ آسان اور سہل ہے جو نئی بحروں کی ایجاد میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ یہ ایسے ضابطہ کو پیش کرتا ہے جس کے اعتبار سے ہر بحر میں مساوی وزن کی مشترک اکائی استعمال ہوتی ہے۔ یہ اکائیاں چاہیں تو مساوی تعداد کی رکھی جاسکتی ہیں یا کم بھی کی جاسکتی ہیں۔ مگر ان اکائیوں کی کمی زیادتی سے ترنم اور ہم آہنگی میں فرق نہیں آتا۔ البتہ اکائیوں کی ذرا سی کمی زیادتی سے نئی نئی بحریں ضرور بنتی ہیں۔

لگھو اور گرو حروف کی سے جو حروف کا مجموعہ بنتا ہے اسے انگریزی میں combination of syllables یا Group of Syllables کہتے ہیں۔ اسی کو "فوٹ" یا اکائی بھی کہتے ہیں جس کی فہرست اوپر دی گئی ہے۔

انگریزی نظم میں Iamb، Trochee اور Anapaest کی اکائیاں عام طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ کیونکہ انگریزی عروض کی ایک اہم خصوصیت مختلف اکائیوں کا امتزاج ہے۔ یہ امتزاج اس طرح عمل میں آتا ہے کہ اس سے ترنم میں نیرنگی پیدا ہوتی ہے۔ مگر بنیادی ترنم نہیں بدلتا۔ انگریزی نظم میں Dactyl کی اکائی کم استعمال ہوتی ہے۔ اور اگر ہوتی بھی ہے تو Trochee کی اکائی کے ساتھ امتزاج پاتی ہے ان کے علاوہ اور کوئی اکائی شاذ و نادر ہی استعمال ہوتی ہے۔

مگر ہندوستانی زبانوں میں اور خاص طور پر اردو میں Trochee، Spondee کی دو حرفی اکائیاں Bacchic، Dactyl اور Cretic کی سہ حرفی اکائیاں اور Choriamb، Di-Trochee، Pyrrhic-Spondee، Iamb-pyrrhic اور Anapaest کی چار حرفی اکائیاں کثرت سے استعمال کی جاتی ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ یہی اکائیاں جو ہندوستانی مزاج کے مطابق ہیں اپنائی جاسکتی ہیں۔

ذیل میں ہر اکائی کی ایک ایک مثال دی جاتی ہے:-

(۱) TROCHEE یا گرو لگھو

امیر خسرو کا شعر ہے:- اماں میرے باوا کو بھیجو جی کہ ساون آیا
بیٹی تیرا باوا تو بڈھا ری کہ ساون آیا

علامات	— ◡	— ◡	— ◡	— ◡	— ◡	—	◡ —	— ◡
تقطیع	اماں	مرے	باوا	کو بھیجے	جو جی	کہ	ساون	آیا
	بیٹی	تیرا	باوا	تو بڈ	ڈھاری	کہ	ساون	آیا

ان مصرعوں میں ساون آیا دو مکمل اکائیوں سے بنا ہے اور باقی حصہ ساڑھے پانچ اکائیوں سے بنا ہے۔ آسانی کے لئے Trochee کو ہم "گرو لگھو" کا ہندوستانی نام بھی دے سکتے ہیں جسے یوں بھی لکھ سکتے ہیں (گ ل)۔

(۲) SPONDEE یا گرو گرو

امیر خسرو کے شعر ہیں:- فارسی بولے آئینہ • ترکی سوچی پائی نا
ہندی بولے آرسی آئے • منہ دیکھو جو اسے بتائے

علامت	— ◡ ◡	— —	— —	—	— —	— —	— —	—
تقطیع	فارسی	بولے	آئی	نا	ترکی	سوچی	پائی	نا
علامت	— —	— —	— ◡ ◡	— ◡	— —	— —	— ◡ ◡	— ◡
تقطیع	ہندی	بولے	آرسی	آئے	منہ دیکھے	کھو جو	اسے بت	تائے

ان اشعار میں Spondee کی اکائی بنیادی اکائی ہے۔ مگر کہیں کہیں دوسری ہم وزن اکائیاں بھی آئی ہیں جو شعر کو نیرنگی بخشتی ہیں۔ مثلاً لفظ فارسی Trochee یا گرو لگھو کی اکائی ہے جو Spondee کے ہم وزن اور مساوی ہے۔ اسی طرح "نا" گرو کی اکائی نے Dactyl یا گرو لگھو کی اکائی کی ہم وزن کی طرح استعمال کی گئی ہے۔ اس شعر کا ہر ایک مصرع ساڑھے تین اکائیوں سے بنا ہے۔ (باقی)

تبصرے

از ضیاء احمد بدایونی

(۱) تعلیمات اسلام - جلد اول (عقائد)

مرتبہ مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی ناظم دینیات۔
ملنے کا پتا :- جامعہ نگر نئی دہلی۔
قیمت دو روپے۔ کتابت و طباعت عمدہ۔

یہ کتاب جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی) کی طرف سے شائع ہوئی ہے جس پر جامعہ ملیہ اور فاضل مرتب دونوں مستحق تبریک ہیں۔ مرتب نے یہ جلد اول ترتیب دی ہے جس میں عقائد اسلامی سے متعلق تمام اہم مسائل پر ملک کے ممتاز اور مسلّم علمائے کرام کے علاوہ امام فخر الدین رازی اور امام غزالی کے مقالات بھی ترجمہ و تلخیص کی صورت میں دے دئے گئے ہیں۔ دوسرے اصحاب بھی جن کے مقالات کتاب کی زینت ہیں مفکر اور اہل قلم ہونے کے لحاظ سے کل ہند شہرت کے مالک ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ مسلم یونیورسٹی اور دوسرے ادارے بھی اس مفید اور گراں قدر کام کی پوری طرح قدر دانی کریں گے۔ معلوم ہوا ہے کہ فاضل مرتب اسلامی عبادات۔ اخلاق و معاشرت پر دوسری جلد مرتب کرکے شائع کرنے والے ہیں۔

(۲) سبع سیارہ :- از مولانا ناطق گلاؤٹھوی۔

ناشر - عبدالسلام۔ تکیہ معصوم شاہ۔ مومن پورہ۔ ناگپور۔
قیمت ایک روپیہ بارہ آنے (۱۲؍۱)۔

مولانا ناطق گلاؤٹھوی ہماری زبان کے مشہور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ یہ موصوف کے سات تنقیدی "مضامین کا مجموعہ ہے۔ مولانا نے ان مضامین میں نہ صرف معاصرین (یاس۔ سیماب۔ جگر۔ ماہر القادری وغیرہم) پر سختی سے لے دے کی ہے اور تحقیر آمیز ذاتیات پر اتر آئے ہیں۔ بلکہ حالی۔ امیر۔ غالب۔ آتش کسی کو نہیں چھوڑا۔

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ہمیں افسوس ہے کہ ان مضامین میں صحیح تنقید کم۔ اور اپنی تعریف اور دوسروں کی تنقیص زیادہ ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

در مدح خود می گوید: "اردو شاعری میں محاورات کو میں نے سب سے زیادہ نظم کیا کہ اس میں استاد ذوق کے سوا امیر کوئی ہم پایہ نہ تھا نہ ہے ...... صفائی اور روانی بیان کا میں تنہا مالک ہوں ...... میں نے غالب کا مشکل رنگ بھی لکھا ہے مگر غالب کی طرح آجکل کے بے ہنروں کی طرح نہیں جو مہمل نویسی کو غالبیت جانتے ہیں۔ میں نے مومن کا رنگ بھی لکھا ہے میر تقی کا بھی۔ اور اب اپنے الگ رنگ میں بھی زبان و فن کی پابندی کے ساتھ لکھتا ہوں" (ص ۱۱۸) ...... "یہ اتفاق ہے کہ جن جن باتوں کو میں نے پابندی سے اختیار کیا وہی مسلمات شعر نکلے۔ وہی فن نکلا۔ اور زبان تو میرے گھر کی تھی ہی۔" (ص ۱۱۹)۔

ایضاً: "مجھے تو ایک طرف اہل امیر و ظرفداران امیر مینائی (کا بچپن سال سے چڑھا ہوا بھوت اُتار دینا تھا اور دوسری طرف ایک اپنے ہی اہل وطن کے منہ میں مشق و دانی تھی۔" (ص ۱۲۹)۔ "میں نے سر اقبال کے کلام پر بھی کچھ اعتراضات کئے ہیں مگر بگاڑ چنگیزی کے انداز میں نہیں۔ میں جب کہتا ہوں تو سوچ سمجھ کر کہتا ہوں اور وہ کہتا ہوں کہ بقول داغ:
جواب سہل نہیں کچھ مرے سوالوں کا" (ص ۱۳۰)

ایضاً: "لکھنؤ کے مشاعرے میں جب سر تیج بہادر سپرو نے مجھے استاذ الاساتذہ کہا تھا تو یہ جناب (سیماب) بھی موجود تھے۔" (ص ۱۲۹)

"میرے جس عیب (بے رحم تنقید) کو جگر صاحب نے غیر مقبولیت کی وجہ قرار دیا یہی میری ملک گیر شہرت کا باعث ہوا۔" (ص ۱۴۴)

در ذم دیگراں۔ حالی: "مولانا حالی نے غالب کو آسمان پر پہنچانے کی کوشش کی ہے مگر انھوں نے اس شعر کا مطلب غالب کے حوالے سے لکھ کر اپنا بھی خاتمہ کر دیا اور غالب کا بھی۔" (ص ۵۲)

"وہ چپ کی داد اور یتیم خانہ کی فریاد اور رانڈوں کا رونا ضرور لکھتے رہے ہیں۔" (ص ۸۵)۔ امیر: "وہ خلقی شاعر نہ تھے جو کچھ لکھا ہے اپنے تبحر علمی سے لکھا ہے جس میں بیشتر مصحفی کا ناکام تتبع ہے۔" (ص ۱۲۱)
غالب: "ان کے متعلق میر تقی میر نے فرما دیا تھا کہ اس لونڈے کو اگر کوئی اچھا استاد نہ ملا تو مہمل بکنے لگے گا (ص ۵۳) سیدھا کیوں نہ لکھ مارا کہ۔ بس اتباع غالب سے پیر کر چکے۔" (ص ۴۶)
آتش: "یہی ایک شعر ہے جس پر میر نے فرمایا تھا کہ یارو یہ لونڈا تو اب اُڑنے لگا۔ شعر بے شک بہت اچھا ہے .... جس کو سن کر میر جیسا گرگ باراں دیدہ جس کو مصحفی کے کلام سے بارہ باٹ ہونے کا بھی علم تھا۔ تذکرہ کو پہنچے بغیر نہ رہا اور ایسے الفاظ میں چوٹ کر گیا کہ آج تک نادان لوگ انھیں آتش کی تعریف پر ہی محمول فرماتے ہیں۔" (ص ۱۳)

یہ تھا مشتے نمونہ از خروارے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ خداداد ذہانت کو ان لایعنی امور پر صرف کیا جائے۔ یاس عظیم آبادی کی بھی یہ روش تھی کہ وہ جذبۂ احساس کمتری کے تحت کسی کا ذکر بھلائی سے کم کرتے تھے۔ چنانچہ غالب، اقبال پر تبرّا کرتے کرتے آخر خدا و رسول کی شان میں گستاخیاں کرنے لگے۔ ورنہ وہ یقیناً ایک خوش فکر اور معنی یاب شاعر تھے۔

اسی کے ساتھ مولانا ناطق نے بعض ایسے انکشافات فرمائے ہیں جن کو پڑھ کر حیرت ہو گئی۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں۔

"حالی کی ہستی قابل اتباع نہیں۔ ان کی ایک ہی تصنیف مسدس مدّ و جزر اسلام وقیع ہے جو آنجہانی مغفور (سر سید) کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ باقی کچھ نہیں۔" (ص ۲۷) اس دعوے کے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ نہایت کمزور ہیں۔ اسی طرح ایک جگہ رقمطراز ہیں: "لیجئے کان کھول کر سن لیجئے۔ عمر خیام نے شاعری کی ہی نہیں۔ اور یہ جو رباعیاں اس سے منسوب کی جاتی ہیں عمر خیام کی نہیں ہیں۔" (ص ۱۱۰) اس کی تردید کا حقہ "ہماری زبان" میں کی جا چکی ہے۔

پبلشر نذیر حسن پرنٹر ظہیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا